تحریک جدید کا دَورِ ثانی اور دوسری مدات

(فرمودہ ۴؍فروری ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''تحریک جدید کے متعلق بعض دوستوں کی طرف سے مجھے خطوط موصول ہو رہے ہیں کہ اس کی جو دوسری مدات تھیں آیا وہ اب تک جاری ہیں یا نہیں سو مَیں اس بارے میں آج بعض باتیں کہنی چاہتا ہوں۔

سب سے اوّل تو یہ بات سوچنے والی ہے کہ اچھی بات آیا وقتی ہوا کرتی ہے یا دائمی۔ کچھ باتیں صداقت کی ایسی ہوتی ہیں جو دائمی ہوتی ہیں۔ ان دائمی صداقتوں کو کبھی بھی ترک نہیں کیا جاسکتا اور اگر کسی وقت ان میں کسی قسم کی سہولت روا رکھی جائے تو وہ سہولت وقتی ہوگی اور جب کبھی تبدیلی ہوگی اس سہولت کے دور کرنے میں ہوگی نہ کہ اصل چیز کے دور کرنے میں۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شروع کے زمانہ میں چونکہ عرب میں رواج تھا کہ لوگ گدھے کا گوشت بھی کھالیا کرتے تھے اس لئے آپ نے اس میں دخل نہ دیا لیکن بعد میں جاکر آپ نے اِس سے روک دیا۔[1] درحقیقت گدھا اپنی اخلاقی حالت کے لحاظ سے شروع سے ہی دوسرے ممنوع جانوروں سے مشابہت رکھتا تھا مگر وقتی ضرورتوں اور لوگوں کی مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے ابتداء میں اس میں دخل نہ دیا یا متعہ کے بارے میں آپ نے شروع میں کوئی حکم نہ دیا لیکن دوسرے وقت جاکر آپ نے اس سے منع فرما دیا۔[2] تو جو چیزیں اپنے اندر

کوئی برائی یا عیب رکھتی ہیں، ان میں اگر کسی وقت کوئی سہولت دی جاتی ہے تو وہ سہولت عارضی ہوتی ہے، اصل حکم عارضی نہیں ہوتا۔ مثلاً تحریک جدید ہے اِس میں ایک ہدایت یہ تھی کہ سادہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اب یہ غور کرنا چاہیئے کہ آیا سادہ زندگی اسلام کا کوئی اصل ہے یا ضرورت کے مطابق اس کی ہدایت دی جاتی ہے۔ اگر اصل اسلامی تعلیم یہ ہو کہ انسان کو خوب عیاشانہ طور پر زندگی بسر کرنی چاہیئے تو سادہ زندگی کا حکم عارضی سمجھا جائے گا اور یہ سوال ہر وقت کیا جاسکے گا کہ اب اس ہدایت پر عمل ترک کر دیا جائے یا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر اسلام کی اصل تعلیم سادہ زندگی کی ہو تو پھر اس حکم کے متعلق یہ سوال نہیں ہوگا کہ یہ عارضی ہے اِسے واپس لے لیا جائے بلکہ یہ سوال ہوگا کہ اس حکم کو کامل طور پر جاری کرنے میں اگر کوئی روک تھی تو اس روک کو کب دُور کیا جائے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اسلام نے بطور شریعت سادہ زندگی کی کوئی تعریف نہیں کی۔ اسلام نے بطور اصول یہ تو بتایا ہے کہ سادہ زندگی اختیار کرو مگر یہ تعریف نہیں کی کہ سادہ زندگی کس کو کہتے ہیں۔ پس یہ بحث تو کی جاسکتی ہے اور ہر وقت کی جاسکتی ہے کہ سادہ زندگی کی تعریف کیا ہے اور آیا فلاں احکام جو سادہ زندگی اختیار کرنے کے ضمن میں دیئے گئے ہیں وہ سادہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے۔ یا بعض افراد یا بعض قومیں آپس میں مل کر فیصلہ کرلیں کہ فلاں بات بھی سادہ زندگی کے اصول میں شامل کر لینی چاہیئے لیکن اصولی طور پر اس بات پر بحث نہیں ہوسکتی کہ آیا سادہ زندگی اختیار کرنی چاہیئے یا نہیں۔ کیونکہ یہ خالص اسلام کا حکم ہے اور قرآن کریم کی بیسیوں آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیسیوں احکام اس معاملہ میں موجود ہیں جو ہمارے لئے خضرِ راہ اور ہدایت نامہ ہیں اور پھر ہماری عقل بھی ہماری اسی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اگر ہم نے دنیا میں اس اسلامی تہذیب کو قائم کرنا ہے جو اس دنیا میں بھی اسی طرح بنی نوع انسان کیلئے بہشت کھینچ کر لاتی ہے جس طرح اگلے جہان میں بہشت ہے تو لازماً اس معاملہ میں آہستہ آہستہ ہمیں بعض اور قیود بھی بڑھانی پڑیں گی یہاں تک کہ اسلام کے منشاء کے مطابق سادہ زندگی کی روح دنیا میں قائم ہو جائے۔ بیشک ایک کھانا کھانا چاہیئے یا زیادہ کی بھی اجازت ہو۔ یہ خود اپنی ذات میں پورے طور پر سادہ زندگی کے مفہوم کو ادا کرنے والے نہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت سے یہی ثابت ہے کہ آپ ایک کھانا کھانے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ خاص دعوتوں یا عیدین کے موقع پر آپ نے ایک سے زائد کھانے کھالئے تو یہ اَور بات ہے۔ چنانچہ ان قیود سے عیدوں کو میں نے پہلے ہی مستثنیٰ کر دیا تھا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ سوال پیش ہوا تو آپ نے عیدین کے متعلق فرمایا یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے کھانے پینے کے دن رکھے ہیں۔[۳] تو میں نے سادہ طعام کے متعلق جو ہدایت دی تھی اس میں یہ اصول مقرر کیا تھا کہ عیدوں پر ایک سے زائد کھانا کھانے کی اجازت ہے۔ ہاں لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق پھر بھی سادگی کو مدنظر رکھیں کیونکہ جب سادہ زندگی اصل کے طور پر ہے تو اس میں وسعت پیدا کرتے وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے پنجاب میں اچھی اچھی دعوتوں کے موقع پر صرف چار پانچ کھانوں پر لوگ کفایت کرتے ہیں لیکن انگریزوں میں جہازوں اور ہوٹلوں میں عام کھانے ہی سات آٹھ پکتے ہیں اور ان کے رات کے ڈنر میں تو پندرہ پندرہ سولہ سولہ کھانے ہوتے ہیں۔ گو وہ سارے پکے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ بعض کھانے چٹنیوں کی قسم کے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے کھانے پکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے ہندوستان کے ہی بعض گوشوں میں مہمان نوازی کی تعریف یہ سمجھی جاتی ہے کہ تیس تیس، چالیس چالیس کھانے پکائے جائیں۔ مجھے اپنی عمر میں صرف ایک دفعہ ایسی دعوت میں شریک ہونے کا موقع ملا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے وقت کی بات ہے کہ ہم بعض دوست ایک وفد کی صورت میں ہندوستان کے مختلف مدارس دیکھنے کیلئے گئے۔ جب دورہ کرتے ہوئے ہم ایک شہر میں پہنچے تو وہاں ایک پرانی وضع کے نہایت مخلص احمدی تھے۔ انہوں نے میرے آنے کی خوشی میں دعوت کی اور اس خیال سے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں میرے اعزاز میں انہوں نے بہت سے کھانے پکائے۔ میں نے وہ کھانے گِنے تو نہیں مگر یہ مجھے یاد ہے کہ جو کھانے میرے دائیں بائیں رکھے گئے تھے وہ اتنے تھے کہ اگر میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا بھی دیتا تو وہ دائیں بائیں کی طشتریوں کو نہیں ڈھانپ سکتے تھے اور جو میرے سامنے کھانے پڑے تھے وہ اتنے زیادہ تھے کہ اگر میں لیٹ بھی جاتا تب بھی بعض کھانے دور رہ جاتے۔ میں نے جب اس قدر کھانے پکے ہوئے دیکھے تو ایک دوست سے

میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے؟ اتنے کھانے انہوں نے کیوں تیار کئے ہیں؟ اس پر اس نے چُپکے سے میرے کان میں کہا کہ آپ اس امر کا یہاں ذکر نہ کریں کیونکہ اس طرح ان کی دل شِکنی ہوگی۔ یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی کے اعزاز میں دعوت کی جاتی ہے تو خاص طور پر بہت زیادہ کھانے پکائے جاتے ہیں۔ پس جو کھانا آپ نے کھانا ہے کھالیں کچھ کہیں نہیں۔ اب یہ بھی دعوت کا ایک طریق ہے۔ تو زیادتی میں بھی سادگی کو مدنظر رکھا جاسکتا ہے کیونکہ ایک سے زائد کھانے کے معنے دو بھی ہوسکتے ہیں، تین بھی ہوسکتے ہیں، دس بھی ہوسکتے ہیں، بیس بھی۔ پس ہمیں یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ سادگی اصل حکم ہے اور تَرَفُّہ[۴] ایک عارضی اجازت، اور عارضی اجازت ہر حالت میں اصل حکم کے تابع رہنی چاہیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک امیر میرے پاس آیا اور کہنے لگا مولوی صاحب! ہاضمہ کی کوئی اچھی سی دوائی مجھے دیں تا کہ میں کھانا پیٹ بھر کر کھاسکوں۔ میری یہ حالت ہے کہ بس لقمہ دو لقمے کھاتا ہوں اور پیٹ بھر جاتا ہے۔ آپ فرماتے کہ ایک دن مجھے اس امیر کے دسترخوان پر جانے کا اتفاق ہؤا۔ میں نے دیکھا کہ کھانے کی چالیس پچاس طشتریاں اُس کے سامنے آئیں۔ اُس نے ہر تھالی میں سے ایک دو لقمے لئے اور چکھا کہ ان سب میں سے اچھا کھانا کون سا ہے۔ پھر دو چار کھانے جو اسے پسند آئے وہ اس نے الگ کر لئے اور ان میں سے تھوڑے تھوڑے لقمے لینے کے بعد کہنے لگا دیکھئے مولوی صاحب! اب بالکل کھایا نہیں جاتا۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے تھے کہ میں نے اسے کہا یہ کوئی بیماری نہیں۔ کیونکہ جو چکھنے کے لقمے ہیں وہ بھی آپ کے معدہ میں ہی گئے ہیں اور اس سے زیادہ کوئی تندرست آدمی نہیں کھاسکتا۔

پس مَیں اس بارے میں جہاں پھر سادگی کی تاکید کرتا ہوں وہاں میں بعض دوستوں کی متواتر تحریک پر دو اِستثناء بھی کر دیتا ہوں۔ ایک تو عیدوں کی طرح میں جمعہ کا استثناء بھی کرتا ہوں اور اُس دن ایک سے زائد کھانا کھانے کی لوگوں کو اجازت دیتا ہوں۔ مگر اِسی حد تک کہ اگر اس دن کوئی دوسرا کھانا کھالے تو جائز ہوگا۔ یہ نہیں کہ ضرور اُس دن ایک سے زائد کھانے پکائے جائیں اور اس استثناء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُس دن کئی کئی کھانے پکنے لگ جائیں۔

پس جمعہ کا میں استثناء کرتا ہوں اور اُس دن دو کھانوں کی اجازت دیتا ہوں۔ کیونکہ جمعہ کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ہماری عید ہے۔[5] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چُھٹیوں کے دنوں میں چونکہ رشتہ دار وغیرہ جمع ہوتے ہیں اور ان کی خاص طور پر خاطر مدارت کرنی پڑتی ہے اس لئے چھُٹی کے دن بھی اس قید کو اُڑا دیا جائے۔ میرے لئے یہ سوال مشکل پیدا کر رہا ہے کہ میں اتوار کو چھٹی قرار دوں یا جمعہ کو۔ کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ چونکہ چھُٹی کے دن رشتہ دار ایک دوسرے کے ہاں ملاقات کیلئے آتے ہیں اس لئے اس خوشی کے موقع پر کسی قدر خاطر مدارات کیلئے یہ اجازت ہونی چاہئے کہ ایک سے زائد کھانے پکائے جائیں۔ اب ایک طرف چونکہ سرکاری دفاتر میں اتوار کو چھُٹی ہوتی ہے اس لئے اس اجازت کے ماتحت اتوار کو مستثنٰی کرنا چاہئے لیکن دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کیلئے عید کا لفظ فرمایا ہے اس لئے اس رخصت کا حقدار وہ دن ہے۔ اگر شریعت اور موجودہ حالات کا لحاظ رکھا جائے تو ہفتہ میں دو دن مستثنٰی کرنے پڑتے ہیں لیکن ہفتہ میں دو دن کا استثناء بہت زیادہ ہے اور اس طرح سہولت بہت وسیع ہو جاتی ہے اس لئے مَیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ہم چھُٹی کا دن جمعہ کو ہی قرار دیں۔ گو عملاً ہمارے ملک میں جمعہ کے دن چھُٹی نہیں ہوتی۔ لیکن زمیندار، تاجر اور جو لوگ ایسی جگہوں میں ملازم ہیں جہاں جمعہ کے دن چھُٹی ملتی ہے اب بھی جمعہ کو چھُٹی کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ جنہیں اتوار کو چھُٹی ملتی ہے وہ بھی اگر چاہیں تو اس بات کی عادت ڈال سکتے ہیں کہ اتوار کو اپنے آرام کا وقت رکھ لیں اور جمعہ کی شام کو اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر اپنے رشتہ داروں سے مل لیں۔ گویا رشتہ داروں کی ملاقات کا وقت بجائے اتوار کے جمعہ کی شام کو رکھا جائے۔ اس طرح جمعہ کے استثناء سے فائدہ اُٹھا کر وہ ان کی خاطر مدارات کیلئے ایک سے زائد کھانا تیار کر سکتے ہیں۔

غرض شرعی مسئلہ چونکہ جمعہ کی تائید میں ہے اس لئے میرا میلانِ طبع اسی طرف ہے کہ بجائے اتوار کے جمعہ کو مستثنٰی کیا جائے۔ بعد میں اگر دوست اس میں کوئی مشکلات دیکھیں تو وہ بتا سکتے ہیں اور اس پر ہر وقت غور کیا جا سکتا ہے۔ فِی الحال میں جمعہ کا استثناء کرتا ہوں۔ مگر اس کا

مطلب یہ نہیں کہ ہر جمعہ کو ضرور ایک سے زائد کھانے پکائے جائیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی ایسی تقریب ہو جب رشتہ دار یا دوست احباب جمع ہوں یا کوئی مہمان آئے ہوئے ہوں تو ان کی خاطر اگر دو کھانے پکا لئے جائیں تو جائز ہوگا۔

اس استثناء کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے دوستوں نے شکایت کی ہے کہ ہمارے پنجاب اور ہندوستان میں چاول نیم غذا ہے جس کا کبھی کبھی کھانا صحت کے لحاظ سے اور ملک کی آب و ہوا کے لحاظ سے ضروری ہوتا ہے۔ مگر اس حکم سے کہ ایک کھانا کھایا جائے ہم چاول کو بالکل ترک کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ صرف چاول کھانے کی عادت نہیں ہوتی اور روٹی سالن کے علاوہ اگر چاول کھائیں تو وہ دو کھانے ہو جاتے ہیں۔ پس ایک کھانا کھانے کی وجہ سے یہ جو دقت پیدا ہو گئی تھی کہ لوگ روٹی ہی کھاتے تھے چاول نہیں کھا سکتے تھے حالانکہ چاولوں کا کبھی کبھی کھانا ہماری مُلکی آب و ہوا کے لحاظ سے ضروری ہے اس استثناء سے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور وہ لوگ جو شکایت کیا کرتے ہیں کہ ایک کھانا کھانے کا حکم دے کر چاول کی غذا بالکل بند کر دی گئی ہے انہیں اطمینان ہو جائے گا اور وہ جمعہ کے دن حسبِ خواہش روٹی کے علاوہ چاول بھی کھا سکیں گے۔

دوسرا استثناء جو مَیں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دعوتوں کے موقع پر میں نے پہلے یہ شرط رکھی تھی کہ اگر اپنا ہی کوئی احمدی دوست مہمان ہو تو دسترخوان پر میزبان صرف ایک ہی کھانا کھائے۔ لیکن اگر کوئی غیر مہمان ہو تو اس کے ساتھ ایک سے زائد کھانے کھا سکتا ہے۔ اس کے متعلق بعض دوستوں نے شکایت کی ہے کہ یہ پابندی بہت مشکلات پیدا کرتی ہے کیونکہ جب مہمان وہ کھانے کھا رہا ہو اور ہم صرف ایک ہی کھانا کھائیں تو یہ امر مہمان پر بہت شاق گزرتا ہے۔ پس آئندہ کیلئے میں اس پابندی کو بھی دور کرتا ہوں اور اس امر کی اجازت دیتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا مہمان ہو جس کیلئے ایک سے زائد کھانے پکائے گئے ہوں تو اس صورت میں خود بھی دو کھانے کھانے جائز ہوں گے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی غیر مہمان ہو۔ یہ نہ ہو کہ اپنے ہی رشتے دار بغیر کسی خاص تقریب کے اکٹھے ہوں اور ان کیلئے (جمعہ کے استثناء کے علاوہ) ایک سے زائد کھانے تیار کر لئے جائیں اور خود بھی دو دو کھانے کھا لئے جائیں۔

غرض میری یہ اجازت اس حالت کے لئے ہے جب غیر لوگ مہمان ہوں یا اپنے عزیزوں کی خاص دعوت ہو۔ میں سمجھتا ہوں اس سے زیادہ کوئی اور سہولت دینا سوائے تکلف کے اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔ مثلاً اگر مہمان کیلئے تین چار کھانے پکائے جائیں تو میزبان کو مہمان کے ساتھ سب کھانے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اسے زیادہ سے زیادہ دو کھانے کھانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اور اگر یہ ان کھانوں میں سے دو کھانے کھالے گا تو مہمان کو یہ اصرار نہیں ہوگا کہ ضرور تین کھانے کھاؤ۔ مہمان کی طرف سے اُسی وقت اصرار ہوتا ہے جب یہ صرف ایک کھانا کھاتا ہے کیونکہ ہمارے ملک میں یہ عام دستور ہے کہ روٹی سالن ایک کھانا سمجھا جاتا ہے اور چاول دوسرا کھانا۔ اب جب یہ صرف روٹی سالن پر اکتفا کرتا ہے اور چاول نہیں کھاتا تو مہمان کو یہ بات چُبھتی ہے لیکن اگر یہ روٹی سالن بھی کھالے اور چاول بھی کھالے تو مہمان یہ اصرار نہیں کرے گا کہ اب ضرور فلاں چیز بھی کھاؤ۔ کیونکہ وہ خیال کرے گا کہ جو چیز اسے پسند تھی اس نے کھالی اگر فلاں چیز یہ نہیں کھانا چاہتا تو نہ کھائے۔ پس چونکہ صرف روٹی سالن کھانے سے ایک امتیاز معلوم ہوتا ہے اور مہمان کو یہ بات چُبھتی ہے اس لئے دوسرا کھانا کھانے کی بھی اجازت ہے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں مہمان پر اس کا طریق عمل گراں نہیں گزرے گا کیونکہ جب مثلاً دسترخوان پر دو سالن ہوں گے اور یہ صرف ایک سالن استعمال کرے گا تو وہ خیال کرے گا کہ اس نے ایک سالن تو استعمال کرلیا دوسرا نہیں کیا تو نہ کرے۔ کیونکہ ایک سالن دوسرے سالن کا قائمقام ہوجاتا ہے لیکن چونکہ ہمارے ملک میں روٹی چاول کا قائمقام نہیں سمجھی جاتی اس لئے مہمان کو یہ امر چُبھتا ہے کہ میزبان نے مثلاً خالی چاول کھائے ہیں یا صرف روٹی کھائی ہے اور اسے بھی دوسری اشیاء استعمال کرنے میں حجاب ہوتا ہے۔ ہاں ایک اور استثناء مَیں گزشتہ سالوں میں کرچکا ہوں وہ قائم ہے اور وہ رسمی یا حکام کی دعوتوں کے متعلق ہے۔ ایسی دعوتوں میں ایک سے زیادہ کھانے کھانا یا کھلانا جو مُلک کے رواج کے مطابق ضروری ہوں جائز رکھا گیا تھا اور اب بھی جائز ہے۔ بعض ملکوں میں جیسے بنگال اور بہار کے علاقے ہیں چاولوں کے ساتھ ایک پتلی دال پکاتے ہیں جس کی غرض محض چاولوں کو گیلا کرنا ہوتی ہے۔ اس کی اجازت مَیں پچھلے دَور میں دے چکا ہوں اور اس دَور میں پھر اس کو دُہرادیتا

ہوں کہ جن علاقوں میں یہ رواج ہے کہ تھوڑا سا خشک سالن وہ چاولوں کے ساتھ استعمال کرنے کیلئے الگ پکاتے ہیں اور ایک پتلی دال جو بالکل پانی کی طرح ہوتی ہے، الگ پکاتے ہیں تاکہ چاول گیلے ہو کر آسانی سے ہضم ہو سکیں، انہیں پتلی دال استعمال کرنے کی اجازت ہے کیونکہ پتلی دال وہاں غذا نہیں سمجھی جاتی بلکہ غذا صرف خشک سالن اور چاول ہوتی ہے۔ یہ دال صرف اس لئے ملائی جاتی ہے تاکہ چاول گیلے ہو جائیں اور انہیں نگلنے میں آسانی ہو۔ یہ استثناء اگرچہ مَیں نے پچھلے دَور میں کر دیا تھا مگر اِس دَور میں مَیں پھر اس کو دُہرا دیتا ہوں۔ مگر یہ شرط ہے کہ وہ دال پتلی دال تک ہی محدود ہو۔ اگر اُس دال کو خود ایسا گاڑھا اور مرغّن بنا لیا جائے کہ وہ سالن کا کام دے سکے تو پھر اِس کی اجازت نہیں۔

خطوں میں تو مجھے یاد ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ کسی خطبہ میں بھی مَیں بیان کر چکا ہوں یا نہیں کہ اچار اور چٹنی اگر سادہ ہو اور بطور مصالحہ یا ہاضوم کے اسے استعمال کیا جائے تو کھانے کے ساتھ اس کا استعمال جائز ہے لیکن بعض ملکوں میں چٹنی بھی سالن کا قائمقام سمجھی جاتی ہے۔ پس جب چٹنی میں بھی تکلّف کی کوئی صورت ہو اور سالن کے قائمقام سمجھی جا سکے تو پھر اس کے استعمال میں بھی احتیاط کرنی چاہیئے۔ ہر شخص کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور فائدہ اسی صورت میں پہنچ سکتا ہے جب انسان حُجت اور حیلہ سازی سے کام نہ لے۔ اگر چٹنی اور اچار صرف چٹنی اور اچار کی حد تک ہی ہو اور اس کے استعمال کی غرض یہ ہو کہ ہاضمہ درست ہو اور کھانا ہضم ہو جائے تو اس کا استعمال جائز ہے لیکن اگر وہ سالن کے قائمقام ہو تو پھر کسی دوسرے سالن کے ساتھ اس کا استعمال جائز نہیں۔ اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں چٹنیاں ہی چٹنیاں بنا کر کھاتے ہیں، کوئی الگ سالن استعمال نہیں کرتے۔

ایک دفعہ جب مَیں شملہ میں تھا تو ایک رئیس میری ملاقات کیلئے آئے۔ اُن سے دورانِ گفتگو کہیں مَیں نے ذکر کر دیا کہ سنا ہے آپ کے وطن میں کھانے اَور قسم کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مجھے اس بات کا کوئی خیال نہ رہا۔ اُنہوں نے میری دعوت کی۔ جب میں ان کے ہاں پہنچا تو مَیں نے دیکھا کہ چھوٹی چھوٹی پیالیاں آنی شروع ہو گئیں جن میں مختلف قسم کی چٹنیاں تھیں۔ میں نے ان چٹنیوں کو کچھ چکھا اور پھر چھوڑ دیا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اب میں یہ انتظار کرتا رہا

کہ کھانا آئے تو میں کھاؤں مگر کھانا کوئی نہ آیا۔ یہاں تک کہ گیارہ بج گئے اور ہم وہاں سے رُخصت ہو گئے۔ راستہ میں مَیں نے حافظ روشن علی صاحب مرحوم سے جو میرے ساتھ تھے پوچھا کہ کیا آج ہماری یہاں دعوت نہیں تھی؟ اور کیا ہمیں غلطی تو نہیں لگی کہ ہم دعوت کے خیال سے یہاں آ گئے؟ وہ اتفاق سے اس علاقہ میں رہ چکے تھے۔ وہ کہنے لگے کھانا آیا جو تھا آپ نے نہیں کھایا؟ میں نے کہا کھانا کون سا آیا؟ کچھ چٹنیاں آئی تھیں وہ میں چکھ کر چھوڑتا گیا۔ کہنے لگے وہی تو کھانا تھا۔ میں نے کہا میں نے سمجھا کہ یہ صرف ہاضمہ کے تیز کرنے کیلئے چٹنیاں آرہی ہیں اور چونکہ مجھے کھانسی کی شکایت تھی میں چکھ کر چھوڑ دیتا تھا، کھاتا نہ تھا اور خیال کرتا تھا کہ اصل کھانا بعد میں آئے گا۔ کہنے لگے یہی چٹنیاں جو انہوں نے بھجوائی تھیں کھانا تھیں۔ تو بعض علاقوں میں چٹنیاں بھی کھانا سمجھی جاتی ہیں جیسے میرے ساتھ واقعہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ مجھے راستہ میں دریافت کرنا پڑا کہ آیا ہماری یہاں دعوت بھی تھی یا نہیں۔ اگر اِس قسم کی چٹنیاں ہوں تو پھر یہ بھی کھانے میں شمار ہوں گی اور ان میں بھی سادگی اور حد بندی کی ضرورت ہوگی۔

لباس کے متعلق بھی بعض دوستوں نے دریافت کیا ہے حالانکہ لباس کی سادگی نہایت ضروری چیز ہے۔ میں نے دیکھا ہے لباس میں سادگی نہ ہونے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ امیروں اور غریبوں میں ایک بیّن فرق ہے۔ امیر اپنے کپڑے سنبھالے بیٹھے رہتے ہیں اور ہر وقت انہیں یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں کپڑے پر داغ نہ لگ جائے، کہیں میلا نہ ہو جائے اور اس طرح وہ غرباء سے پرے پرے رہتے ہیں۔ پس لباس میں سادگی نہایت ضروری ہے بلکہ میں یہاں تک کہوں گا کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف ایک جوڑا ہے اور وہ اسے ایسی احتیاط سے رکھتا ہے کہ ہر وقت اسے یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں اُس پر دھبہ نہ پڑ جائے، کہیں اُس پر داغ نہ لگ جائے اور اس طرح غریبوں سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے تو اس نے ہرگز تحریک جدید کے اس مطالبہ پر عمل نہیں کیا۔ اس کے مقابلہ میں اس شخص کو میں زیادہ سادہ کہوں گا جس کے پاس دو یا تین جوڑے کپڑوں کے ہیں اور وہ ان کے متعلق ایسی احتیاط نہیں کرتا جو امارت و غربت میں امتیاز پیدا کر دیتی ہے۔ درحقیقت لباس میں ایسا تکلّف جو انسانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا موجب ہو جائے، جو بنی نوع انسان میں کئی قسم کی جماعتیں پیدا کرنے کا محرک ہو جائے،

سخت ناپسندیدہ اور فِتنے پیدا کرنے والا ہے۔خواہ اس کے پاس ایک ہی جوڑا ہو یا دو ہوں۔ پس یہ ہدایت بھی کوئی وقتی ہدایت نہیں بلکہ مستقل ہدایت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے انسانوں میں سے تفرقہ دور ہوتا ہے۔

عورتوں میں خصوصاً اعلیٰ لباس کی بہت پابندی ہوتی ہے اور اس میں ان کی طرف سے بڑے بڑے اسراف ہوجاتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض گھر عورتوں کے لباس اور زیور کی وجہ سے ہی برباد ہوگئے ہیں۔ انگریز اقتصادی لحاظ سے بہت بڑی محتاط قوم ہے مگر ان میں بھی عورتوں کے لباسوں کے اخراجات کی وجہ سے بڑے بڑے امراء تباہ ہوجاتے ہیں۔عورت بازار میں جاتی اور مختلف فیشنوں کے جنون میں ماری جاتی ہے۔

میں نے ایک دفعہ ایک ولائتی اخبار میں لطیفہ پڑھا کہ فرانس میں جہاں فیشن کا سب سے زیادہ خیال رکھا جاتا ہے ایک عورت جو فیشن میں خاص طور پر مشہور تھی ایک دکان سے ایک ٹوپی خرید کر نکلی۔ اتفاق سے راستہ میں اُسے ایک فیشن کی ملکہ نظر آ گئی۔ یورپ کے ہر مُلک میں چار پانچ ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو فیشن کی ملکہ کہلاتی ہیں یعنی جو لباس وہ پہنیں وہی فیشن سمجھا جاتا ہے۔ان کے لباس کے خلاف اگر کوئی عورت لباس پہنے تو اس کا لباس فیشن کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ جب اس نے اس فیشن کی ملکہ کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس نے اور قسم کی ٹوپی پہنی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے وہ نئی ٹوپی جو اس نے ابھی خریدی تھی سر سے اُتار کر اپنی بغل کے نیچے دبالی تا کہ کوئی اُسے اس ٹوپی کے ساتھ نہ دیکھ لے۔ یہ فیشن پرستی جنون بھی ہے اور قومی اتحاد کو تباہ کرنے والی بھی۔

ہمارے مُلک میں بھی جو مغربی لباس پہننے والوں کی نقل کرتے ہیں انہیں دیکھ کر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ آدمی ہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشینیں ہیں جن پر کپڑے لپٹے ہوئے ہیں۔ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے انہیں یہی خیال رہتا ہے کہ کپڑے کو شکن نہ پڑ جائے، اس پر داغ نہ لگ جائے، اس میں سلوٹ نہ پڑ جائے۔ بھلا ایسے دماغ کو خدا کے ذکر کیلئے کہاں فُرصت مل سکتی ہے۔ دماغ نے تو آخر ایک ہی کام کرنا ہے۔ جسے اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے یہی خیال رہتا ہو کہ پتلون کو شِکن نہ پڑ جائے اس نے بھلا اَور کیا کام کرنا ہے۔اس کے دماغ کا

بہت سا وقت تو اپنے لباس کی درستی میں ہی لگ جاتا ہے۔ درحقیقت اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہمارا دماغ اور تمام باتوں سے فارغ ہو اور یا تو وہ خدا کی یاد میں مشغول ہو یا بنی نوع انسان کی بہتری کی تدابیر سوچ رہا ہو۔ اور حق بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان باتوں میں ہمہ تن مشغول ہو تو اسے یہ موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ لباس کی درستی کی طرف توجہ کرے۔ میں نے دیکھا ہے کام کی کثرت کی وجہ سے کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ادھر میں کھانا کھا رہا ہوتا ہوں اور اُدھر اخبار پڑھ رہا ہوتا ہوں۔ بیویاں کہتی بھی ہیں کہ اِس وقت اخبار نہ پڑھیں کھانا کھائیں مگر میں کہتا ہوں میرے پاس اَور کوئی وقت نہیں۔ پھر کئی دفعہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں آپ کے لباس میں یہ نقص ہے، وہ نقص ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ مجھے تو اس بات کا احساس بھی نہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ اس کا کیوں خیال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہم نے دیکھا ہے گو مخالف اس پر ہنسی اُڑاتے اور یہ کہتے ہیں کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ پاگل تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کئی دفعہ بوٹ ٹیڑھا پہن لیتے، دایاں بوٹ بائیں پاؤں میں اور بایاں بوٹ دائیں پاؤں میں۔ وہ نادان نہیں جانتے کہ جس کا دماغ اَور باتوں کی طرف شدت سے لگا ہؤا ہو اُسے ان معمولی باتوں کی طرف توجہ کی فُرصت ہی کب مل سکتی ہے۔

اسی طرح کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ بٹن اُوپر نیچے لگا لیتے یعنی اوپر کا بٹن نچلے بٹن کے کاج میں اور نیچے کا بٹن اوپر کے بٹن کے کاج میں لگا دیتے۔ میرا بھی یہی حال ہے کہ دوسرے تیسرے دن بٹن اوپر نیچے ہو جاتے ہیں اور کوئی دوسرا بتاتا ہے تو درستی ہوتی ہے۔ گو بوٹ کے متعلق اب تک میرے ساتھ ایسا کبھی واقعہ نہیں ہؤا کہ بایاں بوٹ میں نے دائیں پاؤں میں پہن لیا ہو اور دایاں بوٹ بائیں پاؤں میں اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ میرے پاؤں پر بھنوری ہے اور ڈاکٹر نے مجھے بچپن سے ہی بوٹ پہننے کی ہدایت کی ہوئی ہے۔ اور چونکہ بچپن سے ہی مجھے بوٹ پہننے کی عادت ہے اس لئے ایسا کبھی اتفاق نہیں ہؤا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تو اکثر ایسا ہؤا کہ چلتے چلتے آپ کو ٹھوکر لگتی اور کوئی دوسرا دوست بتاتا کہ حضور نے گرگابی اُلٹی پہنی ہوئی ہے اور آخر آپ نے انگریزی جُوتی پہننی بالکل ترک کر دی۔ تو انسانی دماغ جب ایک طرف سے فارغ ہو تبھی دوسرا کام کر سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے دماغ کو ان

چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف لگا دیں تو اسلام کی ترقی کے کام ہم کب کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کھانے اور لباس میں انسان کو سادگی کا حکم دیا تا کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھنے کی بجائے اہم امور کی طرف توجہ کرے۔ پس لباس کے متعلق بھی میں سمجھتا ہوں کہ جو قیود میری طرف سے عائد کی گئی تھیں ان کا قائم رکھنا ضروری ہے۔

فیتوں کے متعلق بھی بعض دوستوں نے دریافت کیا ہے کہ آیا اس کے متعلق عورتوں پر جو پابندی عائد کی گئی تھی اُس کا وقت گزر گیا ہے یا ابھی جاری ہے؟ سو اِس کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ پابندی بہر حال قائم ہے کیونکہ کپڑے خواہ کتنے گراں ہوں ایک لمبے عرصہ تک کام دے سکتے ہیں۔ مگر فیتے چونکہ لباس پر صرف ٹانکے جاتے ہیں اور ہر روز بدلے جا سکتے ہیں اس لئے ہر نئے فیشن کو دیکھ کر عورتیں ریجھ جاتی ہیں اور نیا فیتہ خرید کر پہلے فیتے کی جگہ لگا لیتی ہیں اور میرا تجربہ ہے کہ کپڑوں پر اتنی قیمت نہیں لگتی جتنی کہ ایک فیشن پرست عورت کے فیتوں پر، کیونکہ فیتے بدلتے چلے جاتے ہیں۔ پس مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ میں اس میں تغیر کروں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ ہمیں آہستہ آہستہ ابھی بعض اور قیدیں اِس بارہ میں بڑھانی پڑیں گی لیکن چونکہ میں ابھی تک ان امور کے متعلق غور کر رہا ہوں اس لئے ابھی ان کا ذکر نہیں کرتا۔

زیورات کے متعلق میں یہ اجازت دے چُکا ہوں کہ شادی بیاہ کے موقع پر نیا زیور بنوانا جائز ہے۔ اس کے علاوہ کسی موقع پر نہیں اور درحقیقت زیور اپنی ذات میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں کہ شادی کے بعد خاص طور پر بنوایا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خاص طور پر زیور بنوانے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ ہاں ٹُوٹے پھُوٹے زیور کی مرمت کی اجازت میں پہلے بھی دے چکا ہوں اور اب بھی وہ اجازت قائم ہے لیکن ٹُوٹے پھُوٹے زیور کے بنوانے کے یہ معنے نہیں کہ ایک زیور تڑوا کر دوسرا زیور بنوا لیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ٹُوٹے ہوئے زیور کی محض مرمت کرائی جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ عورتیں زیورات کو توڑ پھوڑ کر بعض دفعہ زیور کی قیمت سے بھی زیادہ اس پر خرچ کر دیتی ہیں۔ پس توڑنے پھوڑنے کی مرمت سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ گلے کا زیور ہاتھ کا بنا لیا جائے اور ہاتھ کا زیور گلے کا بلکہ اس سے مراد صرف ٹُوٹے ہوئے زیور کی معمولی مرمت ہے تا کہ وہ کام دے سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گو زیور کیلئے سونا بھی کم ہوتا تھا مگر اس فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی زیور کا جس قدر رواج تھا کہا جا سکتا تھا کہ سونے کی نسبت سے بھی کم تھا۔ اُس وقت زیورات کی اتنی کمی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کے متعلق آتا ہے کہ ان کا زیور محض یہ تھا کہ ان کے پاس ایک ہار تھا جو لونگوں اور بعض دوسرے خوشبودار بیجوں سے بناہوُا تھا اور وہ بھی کسی سے عاریتاً لیاہوُا تھا۔ ہمارے ملک میں بھی زمیندار عورتیں کھوپرے کے ٹکڑوں اور خربوزوں کے بیجوں کے ہار بنا لیتی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی خوشبو کے لئے مختلف قسم کے بیجوں اور رنگوں کو اکٹھا کر کے ایک ہار بنایاہوُا تھا۔

درحقیقت زیور اقتصادی لحاظ سے ایک نہایت ہی مُضِر چیز ہے کیونکہ اس میں قوم کا روپیہ بغیر کسی فائدہ کے پھنس جاتا ہے اور دراصل یہی وہ سونا چاندی اکٹھا کرنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جو لوگ سونا چاندی اکٹھا کرتے ہیں قیامت کے دن اس سونا چاندی کو گرم کر کے ان کے جسم پر داغ لگایا جائے گا۔ یوں قرآن مجید روپیہ رکھنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ اگر روپیہ جمع کرنا منع ہوتا تو اسلام میں زکوٰۃ کا مسئلہ بھی نہ ہوتا۔ پس روپیہ جمع کرنا منع نہیں بلکہ ایسا روپیہ جمع کرنا منع ہے جو دنیا کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ ایک شخص کے پاس اگر دس لاکھ روپیہ ہو اور وہ تجارت پر لگاہوُا ہو تو پانچ دس سَو لوگ ایسے ہوں گے جو اس کے روپیہ سے فائدہ اُٹھا رہے ہوں گے۔ پس بڑے تاجر کا روپیہ یا بڑے زمیندار کا روپیہ بند نہیں کہلا سکتا۔ مثلاً ایک زمیندار کے پاس اگر دو چار سَو ایکڑ زمین ہے تو چونکہ وہ اکیلا اس زمین میں ہل نہیں چلا سکے گا اس لئے لازماً وہ اور لوگوں کو نوکر رکھے گا اور اس طرح بارہ تیرہ آدمی بلکہ بہ شمولیت بیوی بچوں کے ساٹھ ستّر آدمی کا اس کی زمین سے گزارہ چلے گا اور تمام قوم کو فائدہ پہنچے گا۔ لیکن اگر وہ سَو دوسَو ایکڑ زمین کی بجائے اتنے روپیہ کا سونا خرید کر گھر میں رکھ لیتا ہے تو کسی ایک شخص کو بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تو اپنے روپیہ کو ایسے استعمال میں نہ لانا جس کا دنیا کو فائدہ پہنچے، اسلام سخت ناپسند کرتا ہے اور ایسے لوگوں کو ہی قیامت کے دن سزا دینے کا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ چونکہ زیورات کے ذریعہ بھی روپیہ بند ہو جاتا ہے اور قوم کے کام نہیں آتا اس لئے زیورات کی کثرت بھی ناپسندیدہ امر ہے۔ ہاں عورت کی اس کمزوری کو مدنظر

رکھتے ہوئے کہ وہ زیور پسند کرتی ہے اور جس کا قرآن کریم نے بھی یُنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ[۱] میں ذکر فرمایا ہے اسے تھوڑا سا زیور پہننے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ریشم اللہ تعالیٰ نے مردوں کیلئے منع کیا ہے مگر عورتوں کیلئے اس کا پہننا جائز رکھا ہے۔ اس طرح اسلام نے عورت کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ وہ کچھ زیور پہن کر اور کچھ ریشمی لباس میں ملبوس ہو کر زیب و زینت کرسکتی ہے اس لئے میں نے یہ اجازت دی ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر کچھ زیور بنوالیا جائے لیکن اس کے بعد کسی نئے زیور کے بنوانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی سوائے خاص حالات اور اجازت کے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ٹُوٹے پھُوٹے زیور کی مرمت کرالی جائے کیونکہ زیورات مُلک کی تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت کی ترقی میں سخت روک ہیں اور اس طرح ملک کا کروڑوں روپیہ بغیر کسی فائدہ کے بند پڑا رہتا ہے اور کسی قومی یا مُلکی فائدہ کیلئے استعمال نہیں ہوسکتا۔ ایک عورت اگر اپنے پاس دس ہزار روپیہ کا زیور بھی رکھ لیتی ہے تو کسی کو اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن اگر وہ دس ہزار روپیہ تجارت میں لگا دیتی ہے اور پندرہ بیس آدمی پرورش پا جاتے ہیں تو اس سے مُلک اور قوم کو بہت بڑا فائدہ پہنچے گا اور گو اس صورت میں اس کو بھی نفع ملے گا لیکن یہ نفع دوسروں کو نفع میں شامل کر کے ملے گا۔ اس لئے شریعت اس کی اجازت دے گی۔

تو اسلام روپیہ کے استعمال کی وہ صورت پسند کرتا ہے جسے لوگ استعمال کریں۔ وہ صورت پسند نہیں کرتا جس میں آنکھیں اسے دیکھ دیکھ کر لذت حاصل کریں مگر لوگ اس کے فائدہ سے محروم رہیں۔ پس زیورات کے بنوانے میں جس قدر احتیاط کی جاسکے وہ نہ صرف امارت و غربت کا امتیاز دور کرنے کیلئے، نہ صرف مذہبی احکام کی تعمیل کرنے کیلئے بلکہ اپنے ملک کو ترقی دینے کیلئے بھی نہایت ضروری ہے۔ پس یہ احکام ایسے نہیں جنہیں بدلنے کی ضرورت ہو۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت ان میں زیادہ سختی کی ضرورت پیش آجائے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت مسلمان ہو یا اسلامی احکام کے نفاذ کی اجازت اس کی طرف سے ہو تو ایسی کئی قیود لگانی پڑیں گی جن کے ماتحت افراد کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے کیونکہ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ دنیا کے ہر انسان کو کھانا ضرور مہیا ہو، پانی ضرور مہیا ہو، لباس ضرور مہیا ہو اور مکان ضرور مہیا ہو۔ اور جب بھی اسلام کا یہ مقصد پورا ہوگا لازماً امیروں کے ہاتھ سے دولت چھِنے گی کیونکہ

اگر دولت بعض لوگوں کے ہاتھ میں بے اندازہ طور پر چلی جائے تو حکوت سب کیلئے کھانا پینا، لباس اور مکان کس طرح مہیا کرسکتی ہے۔ پس جب بھی اسلامی حکومت قائم ہوئی اسے ضرور ایسے تغیرات کرنے پڑیں گے جن کے ماتحت ہر شخص کیلئے کھانا پینا کپڑا اور مکان مہیا ہو سکے گا۔ بلکہ اس زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک اور چیز بھی اس میں شامل کرنی پڑے گی اور وہ علاج ہے۔ اس زمانہ میں بیماریوں کا علاج اتنا مہنگا ہوگیا ہے کہ میرے نزدیک علاج بھی حکوت کے ذمہ ہونا چاہئے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ بتایا ہے کہ تعلیم بھی اسی میں شامل ہے۔ چنانچہ بدر کے موقع پر جب کفار کے بہت سے قیدی آئے تو ان میں سے بعض پڑھے لکھے تھے۔ انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مدینہ کے بچوں کو پڑھا دو تو تمہاری طرف سے یہی فدیہ سمجھا جائے گا اور تمہیں اس کے بدلہ میں رہا کر دیا جائے گا۔[8] تو تعلیم، علاج، کھانا، پینا، کپڑا اور مکان یہ دنیا کے تمام لوگوں کو میسر آنا چاہئے۔ اور اگر کوئی مُلک ایسا ہے جس میں ایک شخص تو اپنا علاج کرا سکتا ہے مگر دوسرا بیماری سے ہر وقت کراہتا رہتا ہے، ایک شخص تو اپنے لئے کپڑے مہیا کرسکتا ہے مگر دوسرا سردیوں اور گرمیوں میں ننگے بدن پھرتا ہے، ایک شخص تو مکان میں رہتا ہے مگر دوسرے کو اپنا سر چھُپانے کیلئے ایک جھونپڑی بھی میسر نہیں تو وہ مُلک کبھی جنت نہیں کہلا سکتا بلکہ وہ دوزخ ہے۔ ہزاروں آدمی ہمارے مُلک میں ایسے ہیں جو بڑھے ہو جاتے ہیں، اُن کی بیوی پہلے فوت ہو چکی ہوتی ہے اور ان کا کوئی بچہ نہیں ہوتا جو ان کی خبر گیری کرے، وہ اکیلے اپنی کوٹھڑی میں دن رات پڑے رہتے ہیں، نہ اُنہیں روٹی دینے والا کوئی ہوتا ہے نہ اُنہیں پانی دینے والا کوئی ہوتا ہے، نہ اُن کی بلغم اٹھانے والا کوئی ہوتا ہے، نہ اُن کا علاج کرنے والا کوئی ہوتا ہے۔ یہ کتنے غضب اور کتنی لعنت کی بات ہے اُس قوم کیلئے جس قوم میں ایسے افراد موجود ہوں۔ مگر یہ تمام باتیں اسلامی طریقِ عمل اختیار کرنے سے ہی دور ہوسکتی ہیں، اس کے بغیر نہیں۔ اور اِس وقت لازمی طور پر اُن ٹیکسوں پر حکومت کا گزارہ نہیں ہو سکے گا جو ٹیکس حکومت کی طرف سے اب وصول کئے جاتے ہیں۔ پس اُس وقت اسلامی حکومت کو بعض نئے ٹیکس لگانے پڑیں گے اور امراء سے زیادہ روپیہ وصول کرنا پڑے گا جیسا کہ اسلامی اصول اس بارے میں موجود ہیں اور پھر اس روپیہ سے غرباء کی خبر گیری کرنی

پڑے گی لیکن جب تک اسلامی حکومتیں قائم نہیں ہوتیں ہمیں اس مقصد کیلئے تیاری تو کرنی چاہئے۔ ہمیں کیا پتہ کہ کب خدا تعالیٰ حاکموں کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دے اور وہ دَوڑتے ہوئے اسلامی احکام کو دنیا میں قائم کرنے لگ جائیں۔فرض کرو ایک دن ایسا آتا ہے جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ بھی اور وزراء بھی اور امراء بھی اور بڑے بڑے جرنیل بھی سب اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہیں تو بتاؤ کیا ہم اُس وقت تیاری کریں گے یا ہمیں آج سے ہی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔ پس ہمیں اس عظیم الشان مقصد کیلئے جس کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قائم کیا ہے تیار رہنا چاہئے اور تجربہ سے ان احکام کی باریکیوں کو پہلے سے دریافت کر چھوڑنا چاہئے اور اپنی قربانیوں سے اسلام کے احکام کو عملی رنگ دیتے چلے جانا چاہئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بادشاہوں اور حاکموں کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دے اور پھر وہ اسلامی احکام کے اس حصہ کی تکمیل شروع کر دے جس کی تکمیل کرنی اِس وقت ہمارے لئے ناممکن ہے۔

چندوں کی وصولی کا جو طریق موجودہ حالت میں ہم جماعتی طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں وہ یقیناً ایسا نہیں کہ اس سے وہ تمام ضرورتیں پوری ہو سکیں جن ضرورتوں کو پورا کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ دوسرے موجودہ حالت میں ہمارا بہت سا روپیہ تبلیغ پر خرچ ہو رہا ہے اور ہونا چاہئے۔ پس ان وجوہ سے ہم قادیان جیسی چھوٹی بستی میں بھی جہاں صرف چند ہزار نفوس ہیں، اس اسلامی طریق کو کہ ہر شخص کو کھانا، مکان اور لباس وغیرہ بہرحال میسر ہو جاری نہیں کر سکتے بلکہ ابھی تو ہماری یہ حالت ہے کہ ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو جھَٹ ایک منافق شور مچانے لگ جاتا ہے اور ہمارا کچھ روپیہ اس منافق کی آواز کو دبانے اور اس کے فتنے کو دور کرنے میں خرچ ہونے لگتا ہے۔ پس تحریک جدید کے یہ مطالبات ایسے نہیں جنہیں اب منسوخ کر دیا جائے یا ایک عرصہ کے بعد منسوخ کر دیا جائے۔ ہاں ان مطالبات میں تغیر ہو سکتا ہے کیونکہ تفصیلات کے متعلق اسلام نے ہر زمانہ کے اہلُ الرائے پر معاملہ کو چھوڑا ہے اور اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ پس اجتہاد بدل بھی سکتا ہے لیکن اصول بہرحال یہی رہے گا جو تحریک جدید کے مطالبات میں ہے کہ سادہ زندگی اختیار کرو، سادہ کھانا کھاؤ، سادہ لباس پہنو اور آرائش و زیبائش کے سامانوں

سے الگ ہو جاؤ۔ کیونکہ اسلام کا تقاضا ہم سے یہ ہے کہ ہمارا روپیہ زیورات وغیرہ کی صورت میں بند نہ ہو بلکہ قوم کے فائدہ کے کاموں پر لگا ہؤا ہو۔ اسلام کا تقاضا ہم سے یہ ہے کہ امیر اور غریب میں کوئی فرق نہ رہے، اسلام کا تقاضا ہم سے یہ ہے کہ ہم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں، اسلام کا تقاضا ہم سے یہ ہے کہ ہماری ایک دوسرے سے ایسی محبت واُلفت ہو کہ ہم ایک دوسرے سے پرے پرے نہ رہیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم کچھ اَور چیز ہیں اور وہ کچھ اَور چیز ہے۔

مَیں ایک دفعہ گورداسپور کا فارم دیکھنے گیا۔ اس فارم کا جو افسر ہوتا ہے اس کا عُہدہ ڈپٹی کلکٹر کے برابر ہوتا ہے۔ اس افسر نے مجھے تمام فارم دکھایا لیکن میں نے دیکھا کہ سڑک پر چلتے چلتے جب زمیندار سامنے آجاتے تو وہ اسے فرشی سلام کر کے کُود کر ایک طرف ہو جاتے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے انہیں ہنس کر کہا کہ آپ کے صیغے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا جن زمینداروں کے فائدہ کیلئے آپ کام کر رہے ہیں ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ آپ کو دور سے دیکھتے ہی کُود کر الگ ہو جاتے ہیں۔ بھلا ایسے لوگ آپ سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور آپ ان کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے سرایڈورڈ میکلیگن کو جو اُس وقت گورنر پنجاب تھے چِٹھی لکھی کہ میں نے آپ کے ایک محکمہ کا اتفاقاً ملاحظہ کیا ہے جس کے ماتحت مجھ پر یہ اثر ہے کہ اس محکمہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر آپ زمینداروں کو فائدہ پہنچانے کی حقیقی خواہش رکھتے ہیں تو اس کا طریق صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ آپ چھوٹی چھوٹی تنخواہوں والے افسر مقرر کریں جو گاؤں میں جائیں اور زمینداروں سے مل جُل کر کام کریں۔ انہیں ہل چلا کر بتائیں اور نئے طریقِ زراعت کی طرف ان کی طبائع کو مائل کریں۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ ایک بڑی تنخواہ والا افسر آپ نے مقرر کر دیا ہے جس کی شکل دیکھتے ہی زمیندار کُود کر پرے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے میری اِس تجویز کو بہت پسند کیا اور لکھا کہ میں اس پر غور کروں گا۔ چنانچہ اب چھوٹے چھوٹے افسر مقرر ہیں جو کھیت میں ہل چلا کر اور بیج بو کر زمینداروں کو دکھا دیتے ہیں۔ گو اب بھی اس سے پورا فائدہ نہیں پہنچ رہا مگر بہر حال اب چھوٹے افسر بھی مقرر ہو گئے ہیں اور زمیندار آسانی سے ان سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں مگر اُس وقت صرف ڈپٹی ہی ڈپٹی ہوتا تھا کوئی چھوٹا افسر نہیں ہوتا تھا۔

غرض اسلام یہ چاہتا ہے کہ بنی نوع انسان میں امتیاز کم ہو اور محبت اور میل جول زیادہ ہو۔ ایک دفعہ ایک نہایت ہی غریب شخص نے میری دعوت کی۔ میں گیا۔ اُس بے چارہ کے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ اُس نے ایک چارپائی بچھا دی اور اُس پر مجھے بٹھا کر شوربا روٹی جو اسے میسر تھا اُس نے میرے سامنے رکھ دیا۔ اتفاق سے ایک باہر کے دوست بھی اُس وقت میرے ساتھ چل پڑے۔ جب میں کھانا کھا کر باہر نکلا تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ کیا آپ ایسے غریب کی دعوت بھی قبول کرلیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا اگر میں اس غریب شخص کی دعوت کو قبول نہ کرتا اور انکار کردیتا تو آپ ہی یہ اعتراض کرنے والے ہوتے کہ یہ امیروں کی دعوت قبول کرلیتے ہیں، غریبوں کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ مگر اب جبکہ میں نے دعوت قبول کرلی ہے تو آپ کے خیال نے یہ صورت اختیار کرلی ہے کہ ایسے غریب کے ہاں کھانا کھانا تو ظلم ہے۔ میں نے کہا اس کے ہاں کھانا کھانا ظلم نہیں تھا بلکہ انکار کرنا ظلم تھا۔ کیونکہ میرے انکار پر یہ ضرور محسوس کرتا کہ میں چونکہ غریب ہوں اس لئے انکار کیا گیا ہے۔ پس جو اعتراض اُس دوست نے کیا اُس کے بالکل اُلٹ اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ کوئی ایسی امارت نہ ہو جو غربت کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے اور کوئی ایسی غربت نہ ہو جو غریب کیلئے وبالِ جان بن جائے۔ یہ خیال بہت دُور کا ہے۔ ایسا ہی دور جیسے دنیا میں جنت کا خیال۔ مگر ایک دفعہ اسلام اس مقصد کو پورا کرچکا ہے اور اب دوسری دفعہ اس مقصد کو پورا ہونا ناممکن نہیں۔

پس ضرورت ہے کہ ہم اس عظیم الشان مقصد کیلئے داغ بیل ڈالیں اور اس عظیم الشان محل کی بنیادیں رکھ دیں جس کی تعمیر اسلام کا منشاء ہے۔ بیشک ہمارے لئے بہت بڑی دقتیں ہیں۔ ہم دوسروں کے محکوم ہیں اور ہمارے لئے ان کے قواعد کی پابندی لازمی ہے اور بعض دفعہ ہماری ایک نیک خواہش کا بھی وہ یہ مفہوم لے لیتے ہیں کہ گویا ہم بادشاہ بننا چاہتے ہیں حالانکہ ہم بادشاہ نہیں بلکہ خادم بننا چاہتے ہیں۔ لیکن بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے بھی لازمی ہے کہ کوئی قانون جاری کیا جائے۔ اس قانون کا نام بادشاہت کی خواہش رکھ لینا انتہائی نادانی اور ناواقفیت ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ ایسے اصول دنیا میں جاری کردیں جن کے ماتحت امارت و غربت کا امتیاز جاتا رہے اور بنی نوع انسان کو نہایت آرام سے خدا تعالیٰ کے ذکر اور

اپنی ترقی کیلئے جدوجہد کرنے کا موقع مل جائے۔ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میری خواہش ہے کہ انہیں اِس وقت دور کردینا چاہیئے مگر وہ چونکہ حکومت سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے انہیں دورنہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو میں کہتا کہ ان باتوں کو ابھی دور کردو مگر چونکہ حکومت غیر ہے اس لئے محبت، پیار اور آہستگی کے ساتھ قدم آگے بڑھانا ضروری ہے اور اُس دن کا انتظار کرنا چاہیئے جب اللہ تعالیٰ ہمارے حاکموں کے دلوں کو کھول دے۔ ورنہ ان احکام کی ضرورت آج بھی اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے تیرہ سَو سال پہلے قائم تھی۔

سادہ زندگی کے متعلق آجکل ہمیں ایک اور نقطہ نگاہ سے بھی غور کرنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ یہ ایام سلسلہ کیلئے سخت نازک ہیں اور جماعت نے کئی قسم کے چندوں کے وعدے کئے ہیں جن کا اثر ایک دو سال تک رہے گا۔ پس اس لحاظ سے بھی یہ نہایت ہی ضروری امر ہے کہ سادہ زندگی اختیار کی جائے۔ اگر ایک باپ کا اپنے بچوں کے اخراجات پر یا خاوند کا اپنی بیوی کے زیورات پر اُسی طرح روپیہ خرچ ہورہا ہے جس طرح پہلے خرچ ہؤا کرتا تھا تو اسے دین کی خدمت کا موقع کس طرح مل سکتا ہے۔ اگر وہ زیورات پر روپیہ خرچ کرے گا تو دین کی خدمت سے محروم رہے گا اور اگر دین کیلئے روپیہ دے گا تو لازماً اسے سادہ زندگی اختیار کرنی پڑے گی اور بعض قیود اپنے اوپر عائد کرنی ہوں گی۔ پس اِس زمانہ میں ان مطالبات پر عمل کرنا بہت زیادہ ضروری ہے اور پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں جماعت کا ایک بڑا حصہ دیانت داری سے ان احکام پر عمل کرنے کی کوشش کررہا ہے امراء میں سے بھی اور غرباء میں سے بھی اور بعض سُست بھی ہیں۔ مجھے بعض امراء ایسے معلوم ہیں جنہوں نے سختی سے ان مطالبات پر عمل کیا ہے اور سادہ زندگی کے متعلق اپنے اوپر قیود عائد کی ہیں اور مجھے بعض غرباء ایسے معلوم ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ایک کھانا کھانا یہ کون سی شریعت کا حکم ہے حالانکہ یہ محض ان کے فائدہ کی بات تھی اور پھر وہ تو پہلے ہی ایک کھانا کھایا کرتے تھے۔ انہیں تو چاہیئے تھا اس مطالبہ کی تائید کرتے نہ کہ مخالفت۔ مگر انہوں نے مخالفت کی اور اس پر عمل نہ کیا۔ گویا ان لوگوں کی مثال جنہوں نے غرباء میں سے اِس مطالبہ پر عمل نہ کیا ویسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کسی شخص کے دوست کی کُتیا نے بچے دیئے۔ اسے معلوم ہؤا تو وہ اس کے پاس گیا اور کہنے لگا میں نے سنا ہے آپ کی کُتیا نے

بچے دیئے ہیں۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو ایک کُتیا کا بچہ مجھے دے دیں کیونکہ مجھے مکان کی نگرانی کیلئے اس کی ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگا بھئی! بچے تو مَر گئے ہیں لیکن اگر زندہ بھی ہوتے تو میں تمہیں نہ دیتا۔ وہ کہنے لگا اب تو خدا نے بچے مار دیئے تھے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ اگر زندہ ہوتے تب بھی نہ دیتا۔ اسی طرح وہ غرباء تو پہلے ہی ایک کھانا کھاتے ہیں اگر وہ ایک کھانا کھانے کی ہدایت پر اعتراض کریں تو ان کا اعتراض محض بیوقوفی ہے۔ انہیں تو چاہئے تھا کہ وہ امراء کے خلاف شور مچاتے اور کہتے کہ فلاں فلاں امیر اس پر عمل نہیں کرتا اور وہ ایک سے زائد کھانے کھاتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ اس بات پر اعتراض کرتے جس میں خود انہی کا فائدہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں مَیں ایسے امراء کو بھی جانتا ہوں جنہوں نے بعض ہدایات پر عمل نہیں کیا اور ایسے غرباء کو بھی جانتا ہوں جنہوں نے خاص قربانی کر کے بعض ہدایات پر عمل کیا ہے اور جنہیں مہینوں ایک کھانا کھانے کے بعد جب کسی وقت اتفاقی طور پر دو کھانے ملے تو انہوں نے ایک کھانا ہی کھایا اور دوسرا کھانا چھوڑ دیا۔ ان کی قربانی یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت شاندار قربانی ہے اور وہ اس کے اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔

یاد رکھو! اِس وقت ہمارے اِردگرد اتنے ابتلاؤں کے سامان ہیں کہ ہمیں سپاہیانہ طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے اور اپنی تمام زندگی کو مختلف قسم کی قیود کے ماتحت لانا چاہئے۔ دنیا چاہتی ہے کہ احمدیت کو مٹا دے لیکن خدا یہ چاہتا ہے کہ احمدیت کو قائم کرے اور یقیناً ویسا ہی ہوگا جیسا کہ خدا کا منشاء ہے۔ مگر اس کیلئے ضروری ہے کہ تم سچے مسلمان بن کر اپنے اندر ایسی سادگی پیدا کرو جو تمہارے اندر مساوات پیدا کر دے، جو تمہارے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا کر دے، جو تمہارے اندر اُلفت و محبت پیدا کر دے اور جو تمہارے اندر برادرانہ اخوت و تعلق پیدا کرنے کا موجب ہو جائے تا اس کے بعد ایک طرف سے اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہو تو دوسری طرف سے خود تمہارے اندر ایسی طاقت اور قوت پیدا ہو جائے کہ جو بھی تمہارے سامنے آئے اسے اپنے آگے سے بھگا دو۔

دیکھو! پہلوان جب اپنے شاگردوں کو کشتی لڑنا سکھاتے ہیں تو گو ان کے شاگرد دس دس بیس بیس ہوتے ہیں مگر وہ اکیلے سب کو گرا لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر تم بھی مجاہدات کرو گے تو

تمہارے اندر ایسی طاقتیں پیدا ہو جائیں گی کہ تم دس دس ، بیس بیس دشمنوں کا مقابلہ کر سکو گے ۔ جس طرح دُنیوی ریاضات کے نتیجہ میں ایک ایک جسم دس دس جسموں کو گرا لیتا ہے اسی طرح جب روحانی ریاضات کی جاتی ہیں تو اپنی اپنی ریاضت اور اپنے اپنے مجاہدہ کے مطابق کوئی روح دس بدروحوں کو گرا لیتی ہے، کوئی بیس کو گرا لیتی ہے، کوئی پچاس کو گرا لیتی ہے، کوئی سَو کو گرا لیتی ہے، کوئی ہزار کو گرا لیتی ہے اور جب کسی قوم میں زبردست روحانی طاقت وقوت پیدا ہو جائے اُس وقت تعداد کا سوال بالکل اہمیت کھو بیٹھتا ہے ۔ اُس وقت یہ نہیں پوچھا جاتا کہ دشمن ایک کے مقابل پر دس ہیں یا بیس بلکہ ایسی روحانی طاقت حاصل کرنے والی قوم کے تھوڑے سے آدمی ساری دنیا پر غالب آ جاتے ہیں ۔

مثل مشہور ہے کہ ایک دفعہ چُوہوں نے مشورہ کیا کہ بلی کو پکڑ کر قید کر دیا جائے ۔ دس بیس نے کہا کہ ہم اُس کا کان پکڑ لیں گے، دس بیس نے کہا کہ ہم اُس کی دُم پکڑ لیں گے، دس بیس نے کہا ہم اُس کی ٹانگوں سے چمٹ جائیں گے، اس طرح سینکڑوں چُوہے تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ آج بلی آئی تو ہم اسے جانے نہیں دیں گے ۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک بُڈھے چُوہے نے کہا تم سب کچھ پکڑ لو گے مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کی میاؤں کو کون پکڑے گا؟ اتفاقاً اُسی وقت ایک کونے میں سے ایک بلّی کی آواز آئی جو وہاں چھُپی بیٹھی تھی ۔ اُس نے میاؤں جو کی تو تمام چُوہے بھاگ کر اپنے اپنے بلوں میں گھُس گئے ۔

غرض انسان کے اندر جب غیر معمولی یقین پیدا ہو جائے تو دنیا اُس سے دبنے لگتی ہے اور یہ ایک صوفیانہ نکتہ ہے جو تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کے اندر ایک مَیں ہوتی ہے جب وہ مَیں پاک ہو جائے تو باقی تمام دنیا کی مَیں اُس کے آگے دَب جاتی ہے ۔ اُس وقت جسموں اور تعداد کا کوئی سوال نہیں رہتا بلکہ جس طرح ایک شیر کے مقابلہ میں ہزاروں خرگوش کوئی حقیقت نہیں رکھتے اِسی طرح ایسی روحانی طاقت رکھنے والے انسان کے سامنے ہزاروں کیا لاکھوں نفوس بھی محض بے حقیقت ہوتے ہیں کیونکہ وہ روحانیت سے خالی ہوتے ہیں اور انہی لوگوں کو پیدا کرنا ہمارا مقصود ہے ۔ ہماری اصل غرض نہ ایک کھانا کھانا ہے، نہ سادہ کپڑا پہننا ہے، نہ یہ ہے نہ وہ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر ایسی روحانی طاقت پیدا ہو جائے جس کے نتیجہ میں ہم میں

اخوتِ اسلامی پیدا ہو جائے، ہم میں جُرأتِ اسلامی پیدا ہو جائے۔ اور جب وہ پیدا ہوگئی تو ایک طرف ہمارے اندر کوئی فتنہ پیدا نہیں ہو سکے گا اور دوسری طرف دشمن ہمیں دبا نہیں سکے گا کیونکہ ہمارے اندر قوتِ روحانی کا ایک چشمہ پھُوٹ رہا ہوگا اور چشمہ کبھی خشک نہیں ہوسکتا۔ جس طرح ایک چشمہ سے تم جس قدر پانی نکالو وہ خشک نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے نیچے سے اور پانی نکل آتا ہے اسی طرح جو لوگ روحانی اور اخلاقی ورزشوں سے اپنے اندر قوت پیدا کر لیتے ہیں وہ روحانیات کا چشمہ بن جاتے ہیں۔ جب دشمن اس میں سے کچھ پانی چُرا کر لے جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب پانی ختم ہوگیا، اُس چشمہ کے نیچے سے اور پانی نکل آتا ہے اور وہ ہمیشہ ہی بھرا رہتا ہے۔

پس دوستوں کو چاہئے کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ سادہ زندگی کی طرف متوجہ ہوں اور بجائے اِس کے کہ وہ ان قیود کو کم کرنے کی کوشش کریں انہیں چاہئے کہ وہ زیادہ تعہّد کے ساتھ ان مطالبات پر عمل کریں۔ بلکہ جن لوگوں نے گزشتہ سالوں میں ان مطالبات پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی کی ہے اُنہیں بھی اِس طرف لانے کی کوشش کریں۔ تا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی برکتیں نازل ہوں اور اسلام اور احمدیت کی ترقی کے راستے میں جو مشکلات حائل ہیں وہ دُور ہو جائیں اور خدا اور اس کے رسول کا جلال دنیا میں ظاہر ہو۔" (الفضل ۱۱؍فروری ۱۹۳۸ء)

۱، ۲ بخاری کتاب النکاح باب نھی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَن نکاح الْمُتْعَةِ اَخِیْرًا

۳ مسلم کتاب القیام باب تحریم صوم ایام التشریق (الخ)

۴ تَرَفُّہ: آسودگی۔ دولتمندی

۵ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۶ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ (التوبة: ۳۵)

۷ الزخرف: ۱۹

۸ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۲۴۔ حاشیہ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۶ء